Al-Raqīm (Research Journal of Islamic Studies)
ISSN: 3006-2225 (Print), 3006-2233 (Online)
Volume 03, Issue 02, July-December 2025.
Open Access at: https://journals.iub.edu.pk/index.php/alraqim/index
Publisher: Department of Islamic Studies, The Islāmia University of Bahāwalpur, Raḥīm Yār Khān Campus, Pakistan
Email: editor.alraqim@iub.edu.pk

لسانِ قوم: ترسیل و تبلیغ کا فطری و قرآنی ضابطہ

"Language of the Nation: A Natural and Qur'anic Principle of Communication and Propagation"

Sania Liaqat
Research Scholar, Department of Islamic Studies, Lahore College for Women University, Lahore, Pakistan.
Binteliaqat348@gmail.com

Dr. Saima Farooq
Associate Professor, Department of Islamic Studies, Lahore College for Women University, Lahore, Pakistan.
saimafarooq_2011@yahoo.com

Abstract :

The Arabic word "Lisan (لسان) "means tongue or language, and in its broader sense, it also refers to someone who is eloquent, articulate, and represents or speaks on behalf of a nation. Language is a gift from Allah. It is not merely a collection of letters and words, but in addition to being a means of expression, it serves as a reflection of a nation's thoughts and ideas. It also transmits the values and traditions of a people to future generations. If a language ceases to influence society or stops being influenced by it, it becomes stagnant and eventually loses its existence in the world. Without language, the identity of people cannot be recognized. The unity or diversity of civilizations and cultures is, in fact, due to the unity or diversity of their languages. Language is a living entity—it survives by drawing influence from society, accepting the impressions of the past, refining and purifying them, and carrying them forward into the future while continually evolving.

key words: Language, Lisan, Expression, Civilization, Culture, Identity, Evolution.

Al-Raqim Research Journal, Department of Islamic Studies, IUB, RYK Campus is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

ابلاغ و تبلیغ کا سب سے اہم وسیلہ لسان ہے۔ اس لیے اللہ رب العالمین نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے دربار میں توحید کا پیغام پہنچانے اور بنی اسرائیل کی رہائی کا مشن سونپا۔ فرعون ایک ظالم بادشاہ تھا اور اس کے دربار میں اس عظیم مشن کے لیے خطابت اور زبان کی وضاحت کی ضرورت تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا انشراح صدر کے ساتھ ساتھ لسان پر قدرت کے لیے کی جو یقیناً موثر ابلاغ کے لیے بے حد اہم ہے۔ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کا کچھ اس انداز میں تذکرہ کیا گیا ہے۔

﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۔ وَيَسِّرْلِيْٓ اَمْرِيْ ۔ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۔ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ﴾ ( )

”موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! میرے لیے میرے سینے کو کھول دے۔ اور میرے اس کام کو میرے لیے آسان کر دے۔ اور میری زبان کی گرہ (لکنت) کو کھول دے۔ (تاکہ) میری بات کو وہ اچھی طرح سمجھ سکیں۔‘اسلام میں ترسیل (Communication) اور تبلیغ (Propagation) نہ صرف دین کی دعوت کو پہنچانے کا ذریعہ ہے بلکہ یہ ایسی فکری، علمی و عملی تحریک ہیں جو انسان کی فطرت، عقل و شعور اور روح کو منور کرتی ہے۔ قرآن و حدیث میں ترسیل و تبلیغ کو محض زبانی دعوت تک محدود نہیں رکھا گیا بلکہ اس کے مختلف پہلو بیان کیے گئے ہیں۔ جو انسانی زندگی کے ہر گوشے کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔

ترسیل کے لغوی اور اصطلاحی معنی:

ترسیل کا لفظ عربی زبان کے مادہ (ر۔س۔ل) سے ماخوذ ہے اور (رسل) اسی مادے سے لفظ الرسل، رسول، الارسال، الرسالۃ اور تراسل وغیرہ ہیں۔ الرِّسْلُ اصل میں اس کے معنی آہستہ اور نرمی کے ساتھ چل پڑنے کے ہیں۔ اسی سے رسول ہے جس کے معنی ہیں روانہ ہونے والا، مگر کبھی رسول کا لفظ صرف پیغام پر بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا[1]:

(الا ابلغ آبا حفص رسولا)[2]

”ابو حفص (عمرؓ) کو میرا پیغام پہنچا دو“

اور کبھی اس شخص پر جسے پیغام دے کر بھیجا گیا ہو اور رسول کی جمع رُسُلُ آتی ہے اور قرآن میں رسول اور رسول اللہ سے مراد کبھی فرشتے ہوتے ہیں۔[3]

الارسال (افعال) کے معنی بھیجنے کے ہیں اور اس کا اطلاق انسان پر بھی ہوتا ہے اور دوسری محبوب یا مکروہ چیزوں کے لیے بھی آتا ہے۔ کبھی (۱) یہ تسخیر کے طور پر استعمال ہوتا ہے جیسے ہوا، بارش وغیرہ، (۲) اور کبھی کسی بااختیار و ارادہ شخص کے بھیجنے پر بولا جاتا ہے جیسے پیغمبر بھیجنا اور کبھی (۳) یہ لفظ کسی چیز کو اس کی اپنی حالت پر چھوڑ دینے اور اس سے کسی قسم کا تعرض نہ کرنے پر بولا جاتا ہے اور کبھی (۴) یہ امساک (روکنا) کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے۔[4]

مترادفات القرآن میں الرسول، قاصد، پیغمبر اور پیغامبر کے معنوں میں بھی آیا ہے۔ المعجم الوسیط میں الرسول، قاصد بنا کر بھیجنا کے معنوں میں بھی استعمال ہوا۔ اردو لغات میں ترسیل کے معنی روانہ کرنا، بھیجنا[5]، ارسال کرنا اور روانگی[6] وغیرہ بھی ہیں۔ عمومی طور پر ترسیل میں کسی چیز کو اس قدر صاف اور واضح انداز میں بیان کرنا کہ مخاطب اسے بغیر کسی رکاوٹ کے وصول کر سکے۔

تبلیغ کے لغوی اور اصطلاحی معنی:

تبلیغ عربی زبان کے لفظ ب ۔ ل۔ غ (بلغ) سے ماخوذ ہے۔ بلغ کے مادے سے ہی لفظ البلاغ، بَلُغَ، تبلیغ، البلوغ، بالغة، اوربلاغ وغیرہ۔بَلَغَ سے مراد پہنچنا اور اَبْلَغَ وبَلَّغَ سے مراد پہنچانا ہے[7] اور البلاغ سے مراد پیغام، کسی چیز تک پہنچنا[8] اور تبلیغ یعنی پہنچا دینے کے ہیں[9] اور بَلُغَ سے مراد فصیح و بلیغ ہونا شیریں بیان ہونا، بلیغ ہونا۔[10] اُردو لغات میں تبلیغ سے مراد پہنچانا، احکام شریعت پہنچانا اور خدا کا حکم پہنچانا۔[11]

تبلیغ سے مراد پہنچانا، کہہ دینا اور پرچار بھی ہیں[12] اور تبلیغ سے مراد الدعوۃ والارشاد کرنا،نشر الدعوۃ الاسلامیہ تبلیغ رسالہ الدین الی والارشاد الی الدین،[13] چونکہ تبلیغ سے مراد پہنچا دینا ہے۔اس لفظ کا مترادف "البلاغ" ہے۔

امام راغب اصفہانی نے المفردات میں البلاغ کے دو معانی بیان کیے ہیں۔ پہلا معنی پہنچا دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾[14]

'اور ہماری ذمہ داری اس سے زیادہ نہیں ہے کہ صاف صاف پیغام پہنچا دیں۔"

البلاغ کا دوسرا معنی الکفایہ یعنی کافی ہے۔[15] اور اس معنی کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت کرتی ہے:

﴿اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ﴾[16]

"بے شک اس (قرآن) میں عبادت گزار لوگوں کے لیے کافی پیغام ہے۔"

شرعی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ پیغام حق کو لوگوں تک پہنچانا تبلیغ کہلاتا ہے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾[17]

"اے رسول جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے، پہنچا دیجیے۔"

ترسیل و تبلیغ کا دائرہ کار:

گویا ترسیل اور تبلیغ دونوں دین کی دعوت، علم کی ترسیل اور معلومات کی منتقلی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں چونکہ ترسیل و تبلیغ کا دائرہ بہت وسعت کا حامل ہے۔ یہ محض زبان سے دین کی دعوت دینے تک محدود نہیں بلکہ اس میں حکمت، کردار، تہذیبی و ثقافتی اصلاح اور علمی نمونہ سب شامل ہیں۔ تبلیغ ایک ایسا عمل ہے جو نہ صرف انفرادی طور پر کسی بھی انسان کو بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے بلکہ پورے معاشرے کی مکمل تشکیل اور اصلاح میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔لہٰذا معاشرے کی مکمل تشکیل اور اصلاح اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک ترسیل و تبلیغ اُسی قوم کی لسان کے ساتھ نہ ہو۔ کیونکہ انسانی معاشرت میں زبان (لسان) بنیادی ذریعہ ابلاغ ہے، جس کے ذریعے خیالات، نظریات، علوم اور اقدار کی ترسیل ممکن ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ﴾[18]

”اور ہم نے جب بھی کوئی رسول بھیجا، خود اس کی قوم کی زبان میں بھیجا، تاکہ وہ ان کے سامنے حق کو اچھی طرح واضح کر سکے۔“

یہ آیت واضح طور پر اس بات کو اجاگر کرتی ہے کہ دین کی تبلیغ اور پیغام الٰہی کی ترسیل اسی لسان میں ہونی چاہیے جو قوم سمجھتی ہو، کیونکہ پیغام کی تاثیر اُس وقت تک موثر نہیں ہوتی جب تک وہ قوم کی زبان اور ثقافت سے ہم آہنگ نہ ہو۔ لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی انتہائی درجے کی مہربانی ہے کہ اُس نے ہر نبی کو اس کی قومی زبان میں ہی بھیجا تاکہ بات کو سمجھانے اور سمجھ کر عمل کرنے میں آسانی رہے۔

ترسیل و تبلیغ میں "لسان قوم" کا کردار:

قرآن مجید نے تبلیغ کی سب سے اہم شرط یہی بتائی کہ پیغام لوگوں کو ان کی اپنی مادری زبان میں ہی پہنچایا جائے تاکہ قوم اسے سمجھ سکے اور عمل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ﴾ اس آیت میں "لسان قوم" کو وحی اور ہدایت کے ابلاغ کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ یہ ایک ایسا فطری ضابطہ ہے جو انسانی فہم، ثقافت اور ابلاغ کی بنیادیات پر مبنی ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”چونکہ ہر نبی صرف اپنی قوم ہی کی طرف بھیجا جاتا رہا اس لئیے اس کی قومی زبان میں ہی کتاب ملتی تھی اور اس کی اپنی زبان بھی وہی ہوتی تھی۔“(19)

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”کسی بھی قوم کی طرف جب بھی کوئی رسول بھیجا جاتا ہے تو وہ اس قوم کا ہی فرد ہوتا ہے۔ عبد بن حمید ابن جریر اور ابن المنذر نے قتادہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں بلسانہ قومہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس قوم کی زبان عربی ہو تو وہ عربی بولتا ہے، اگر سریانی ہو تو وہ سریانی بولتا ہے، اگر عجمی ہو تو وہ عجمی بولتا ہے تاکہ کھول کر بیان کرے وہ احکام جو انہیں حکم دیا گیا ہے تاکہ وہ انہیں سہولت اور آسانی کے ساتھ رسول سے سمجھ سکیں۔“(20)

لہٰذا جب تک دعوت یا پیغام اُسی قوم کی ثقافت، رسم و رواج اور لسان سے مطابقت نہ رکھتا ہو تو قوم کے لیے اُس پیغام پر عمل کرنا تو دور اُسے سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ "لسان قوم" صرف زبان نہیں بلکہ یہ ایک لسانی و ثقافتی ہم آہنگی کا نام ہے جو فطری طور پر ترسیل و تبلیغ کی بنیاد بنتی ہے۔ قرآن کا دعوتی فلسفہ ایک جامع انسان شناسی (Anthropology) پر قائم ہے، جس میں زبان کے ساتھ تہذیب و ثقافت اور اقدار و روایات کو بھی فہم کا لازمی وسیلہ قرار دیا گیا ہے۔

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ فرماتے ہیں:

”اس کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو نبی جس قوم میں بھیجا ہے اس پر اسی قوم کی زبان میں اپنا کلام نازل کیا تاکہ وہ قوم اسے اچھی طرح سمجھے، اور اسے یہ عذر پیش

کرنے کا موقع نہ مل سکے کہ آپ کی بھیجی ہوئی تعلیم تو ہماری سمجھ ہی میں نہ آتی تھی پھر ہم اس پر ایمان کیسے لاتے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض معجزہ دکھانے کی خاطر کبھی یہ نہیں کیا کہ رسول تو بھیجے عرب میں اور وہ کلام سنائے چینی یا جاپانی زبان میں۔ اس طرح کے کرشمے دکھانے اور لوگوں کی عجائب پسندی کو آسودہ کرنے کی بہ نسبت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں تعلیم و تلقین اور تفہیم و تبیین کی اہمیت زیادہ رہی ہے جس کے لیے ضروری تھا کہ ایک قوم کو اسی زبان میں پیغام پہنچایا جائے جسے وہ سمجھتی ہو۔"[21]

لہٰذا ترسیل اور تبلیغ وہی موثر ہوتی ہے جو مخاطب کی زبان تہذیب و ثقافت سے ہم آہنگ ہو۔ اگر کوئی داعی (دعوت دینے والا) صرف زبان پر عبور رکھتا ہو لیکن قوم کے ثقافتی ماحول سے بے خبر ہو تو وہ پیغام کو اس طرح منتقل نہیں کر سکتا ہے جس طرح ایک ہم ثقافت شخص کر سکتا ہے۔ ڈاکٹر محمد اقبالؒ فرماتے ہیں:

"ہر پیغام کا اثر سامع کے مزاج، زبان اور فکری پس منظر پر منحصر ہوتا ہے۔"[22]

اس لیے دعوت دینے کے لیے نہایت ضروری ہے کہ داعی اپنے قول و فعل اور اخلاق و کردار میں کوئی تضاد نہ رکھے اور اُسے سامعین کے مزاج، لسان، تہذیب و ثقافت کے بارے میں مکمل پذیرائی حاصل ہو، ورنہ وہ سامعین کے لیے محض الفاظ کے علاوہ کچھ فائدہ مند نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ایک داعی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ترسیل و تبلیغ میں اس بات سے غفلت برتے کہ "لسان قوم" کا کیا مقام ہے اور لوگوں تک حق پہنچانے میں اُن کی تہذیب و ثقافت، مزاج، رسوم و رواج اور اقدار و روایات اصلی ذریعہ ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ گفتگو اس انداز میں کی جائے کہ وہ واضح اور سلیس ہو، اس میں کوئی ابہام نہ ہو، سامع اس کو سنتے ہی سمجھ جائے۔ اس لیے کہ کلام کا مقصد مطلوبہ معلومات کو اس شخص تک پہنچانا ہوتا ہے جس سے بات کی جاتی ہے۔ اس بناء پر بات پوری طرح واضح ہونی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کا کام ہی یہ قرار دیا ہے کہ وہ کھلے اور واضح انداز میں اس کا پیغام لوگوں تک پہنچائیں، تاکہ مخاطبین پر حجت قائم ہو سکے۔

اللہ رب العزت کا قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد ہے:

﴿وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾[23]

"رسول کی ذمہ داری اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ صاف صاف حکم پہنچا دے۔"

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ پیغمبروں کی بنیادی ذمہ داری اللہ کے پیغام کو لوگوں تک واضح انداز میں پہنچانا ہے۔ اس لیے کلام کے واضح ہونے کا معیار یہ ہے کہ بات مخاطبین کے لیے واضح ہو۔ لہٰذا کسی بھی نظریے یا پیغام کو واضح کرنے کے لیے وہی زبان موزوں ہوتی ہے جو مخاطب کی مادری زبان ہو۔ کیونکہ اس سے الفاظ اور اصطلاحات کا سیاق و سباق سمجھنا آسان ہوتا ہے۔ "لسان قوم" میں ترسیل و تبلیغ کرنے سے پیغام میں فصاحت و بلاغت آتی ہے جو کہ سننے والے کے لیے موثر اور قابل قبول ہوتی ہے۔

"لسان قوم" تفہیم کا موثر ذریعہ:

ترسیل و تبلیغ میں فہم و تفہیم ضروری ہے اور "لسان قوم" (زبان) تفہیم کا سب سے موثر ذریعہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے عربوں کو عربی زبان میں دین سکھایا جبکہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرامؓ نے ان ہی لسان میں تبلیغ کی۔

حضرت نوح علیہ السلام کی ترسیل تبلیغ بذریعہ "لسان قوم":

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو جب توحید کی دعوت دی تو ان کی ہی زبان میں دی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ۹۵۰ سال مسلسل اپنی قوم کو دعوت دی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوتی جدوجہد قرآن کریم میں سب سے مفصل انداز میں بیان ہوئی اور ان کی قوم سے مخاطبت "لسان قوم" (یعنی ان کی اپنی زبان لہجہ، تہذیب و ثقافت، رسم و رواج اور انداز فہم) میں ہوئی۔ نوح علیہ السلام کی دعوت ایک مثالی ترسیلی ماڈل کے طور پر سامنے آتی ہے، جس میں وہ زبان، انداز اور ثقافتی سیاق کے تمام عناصر کا خیال رکھتے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا﴾[24]

"(نوح علیہ السلام نے) کہا: اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات دن تیری طرف بلایا۔"

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے کس قدر مستقل مزاجی، نرمی اور شفقت سے قوم کو دعوت دی اور وہ کسی نئی اصطلاح یا اجنبی اسلوب سے کام نہیں لیتے، بلکہ قوم کے مزاج کے مطابق گفتگو کرتے۔ یعنی "لسان قوم" کے ذریعے فطرت، معاشرہ، اقدار و روایات، عقیدہ، اخلاق سب کو شامل کر کے جامع ترسیل کی گئی لیکن قوم نے اس کے باوجود انکار کر دیا۔ اُن کے انکار کا تذکرہ قرآن مجید میں کچھ یوں بیان کیا گیا:

﴿فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاءِي إِلَّا فِرَارًا﴾[25]

"مگر میرے بلانے سے یہ لوگ اور زیادہ بھاگنے لگے۔"

قوم نے حضرت نوح علیہ السلام کی مسلسل دعوت کے باوجود انکار کیا۔ انکار اس لیے ہوا کہ قوم نے ارادے سے اعراض کیا، نہ کہ دعوت ناقص تھی۔ یہ بھی ترسیل کا حصہ ہے کہ بعض اوقات موثر انداز کے باوجود مخاطب کی ضد رکاوٹ بن جاتی ہے نہ کہ دعوت کا اسلوب۔ اُن کی ترسیلی حکمتوں کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے قوم کو دن رات بلند، آہستگی، اعلانیہ اور پوشیدہ ہر طرح سے اپنی قوم کے مزاج، تہذیب و ثقافت کے مطابق دعوت دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ترسیل و تبلیغ بذریعہ "لسان قوم":

اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا قرآنی بیانیہ لسانِ قوم کے فطری ضابطے کا ایک شاندار عملی نمونہ ہے۔ ان کی تبلیغی جدوجہد میں زبان، تہذیب، ماحول اور قوت بیان سبھی پہلو شامل ہیں۔ اللہ رب العزت نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور بنی اسرائیل دونوں کے لیے مبعوث فرمایا اور ان کے دعوتی خطاب میں مخاطبین کی زبان، لہجہ اور فہم کا پورا خیال رکھا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوتِ ترسیل کی طلب کے لیے خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی:

﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ○ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ○ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ○ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ﴾[26]

"موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! میرے لیے میرے سینے کو کھول دے۔ اور میرے اس کام کو میرے لیے آسان کر دے۔ اور میری زبان کی گرہ (لکنت) کو کھول دے۔ (تاکہ) میری بات کو وہ اچھی طرح سمجھ سکیں۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لسانی فصاحت اور بیان کی صفائی کو دعوت کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مخاطب کو واضح طور پر سمجھیں اور اُس پر عمل کر سکیں۔ جب اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے دربار میں بھیجا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے دربار میں اس طرح گفتگو کی کہ نہ صرف زبان ایک جیسی تھی بلکہ سیاسی و ثقافتی سیاق کا بھی لحاظ رکھتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت بذریعہ "لسان قوم":

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے علمی روایت کو مدنظر رکھتے ہوئے تبلیغ کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو عبرانی یا آرامی زبان میں نصیحت کی، جو اس وقت کی قوم کی زبان تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابتدائی گفتگو جس کا قرآن میں کچھ یوں بیان ہے:

﴿قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا﴾[27]

"بچہ بول اُٹھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے اپنا پیغمبر بنایا ہے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہری مذہبی زبان میں مخاطب ہو کر ایک لسانی معجزے کے ذریعے قوم کو چونکا دیا کیونکہ یہ بات نہ صرف زبانی قوت کی مظہر تھی بلکہ لسان قوم کے سیاق میں غیر معمولی فصاحت کا اظہار تھی۔

حضرت شعیب علیہ السلام...... ہم زبانی اور قومیت کی بنیاد پر تبلیغ:

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی ہی قوم کو وعظ کیا، اس لیے ان کا پیغام قوم کے دل و دماغ میں اُترا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا﴾[28]

"اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا۔"

﴿اَخَاهُمْ﴾ "ان کا بھائی" کا مطلب صرف نسبتی رشتہ نہیں بلکہ یہ لسانی، قومی اور ثقافتی ہم آہنگی کا اشارہ ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی تہذیبی ہم آہنگی:

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی ہی قوم کو وعظ کیا، جو ان کی زبان، روایات اور ماحول سے واقف تھے۔ اس ہم آہنگی کے باوجود انکار ہوا، لیکن پیغام سمجھنے میں دقت نہ تھی۔ انکار علم کے وجہ سے ہوا، نہ کہ زبان کی وجہ سے۔

حضرت محمد ﷺ...... عربوں کی زبان میں قرآن کا نزول:

حضرت محمد ﷺ ترسیل اور تبلیغ دونوں طرح سے لوگوں کو توحید کی دعوت دی، لیکن دعوت کی بنیادی زبان، قرآن مجید خود اپنے نزول کی زبان کو واضح کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّآ أَنزَلۡنَٰهُ قُرۡءَٰنًا عَرَبِيّٗا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُونَ﴾[29]

"یقیناً ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل فرمایا کہ تم سمجھ سکو۔"

اللہ رب العالمین فرماتے ہیں:

﴿وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيّٞ مُّبِينٌ﴾[30]

"اور یہ قرآن تو صاف عربی زبان میں ہے۔"

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی دعوت عربی زبان میں تھی اور وہ بھی قریش کے لہجے اور فصاحت کے مطابق، تاکہ عرب کی زبان، لہجہ، محاورہ، رسم ورواج اور ثقافتی سیاق میں پیغام مکمل طور پر قابل فہم اور با معنی ہو۔ جب ہجرت کر کے مدینہ گئے تو ان کی لسانی وسعتوں کے مطابق اُن کو دعوت دی جب یہودیوں کو دعوت دیتے تو ان کی زبان (کتابی زبان) عبرانی یا آرامی مفاہیم کے حوالے سے دیتے۔ انصار ومہاجرین سے مدنی لہجے میں بات کرتے، منافقین سے تمثیلی اسلوب میں گفتگو کرتے۔ گویا ہر مقام پر زبان اور سیاق کے لحاظ سے دلائل کا انتخاب، انداز خطاب اور طرزِ دعوت الگ رہا۔ فارس، روم، مصر، یمن وغیرہ کے بادشاہوں کو خطوط میں ان کی لسانی و ثقافتی شناخت کا لحاظ رکھا گیا۔ مترجمین مقرر کیے گئے تاکہ پیغام موثر طور پر پہنچے۔ ہر خط اس بادشاہ کی زبان یا معروف اسلوب میں تحریر کیا گیا۔ بعض جگہ مترجم مقرر کیے گئے۔ بادشاہوں کے معروف القابات، مہر نبوی ﷺ اور سفیر کا انتخاب سب کچھ دعوتی حکمت پر مبنی تھا۔

* **نجاشی** جو کہ حبشہ کا بادشاہ تھا، اس کو خط بھیجتے وقت حبشی زبان کا لحاظ رکھا۔ حبشہ نے اسلام قبول کر لیا۔
* **ہرقل** جو کہ قیصر روم کا بادشاہ تھا، اس کو عربی زبان میں خط بھیجا لیکن سفیر اور مترجم ساتھ بھیجا۔
* **کسریٰ فارس** کا بادشاہ، فارسی زبان کا لحاظ رکھا۔ لیکن کسریٰ نے تکبر اور لسانی برتری کا مظاہرہ کیا جو کہ دعوت کو انکار کرنے کا سبب بنا۔
* **مقوقس** جو کہ مصر کا حاکم تھا، اس کو نرمی، تہذیب و ثقافت اور عربی اسلوب میں دعوت دی، لیکن مقوقس نے ادب سے جواب دیا مگر ایمان نہیں لایا۔ اس کا ثقافتی اثر ماننا ممکن نہ تھا۔

گویا ہر خط میں لسانی ثقافت، شناخت اور ثقافتی مزاج کا خیال رکھا۔ سفیروں سے خطاب، قوم کی زبان، انداز اور آداب سے واقف ہونا ضروری سمجھا گیا۔ اگر انبیاء کرام علیہم السلام غیر لسان میں دعوت دیتے تو کسی قوم پر حجت قائم نہ ہو پاتی۔ اس لیے اللہ رب العزت نے ہر قوم میں ان کی لسان کے مطابق انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس بات کو واضح کر دیا:

﴿وَلَوۡ نَزَّلۡنَٰهُ عَلَىٰ بَعۡضِ ٱلۡأَعۡجَمِينَ ۝ فَقَرَأَهُۥ عَلَيۡهِم مَّا كَانُواْ بِهِۦ مُؤۡمِنِينَ﴾[31]

"اور اگر ہم اسے کسی عجمی شخص پر نازل فرماتے، پس وہ ان کے سامنے اس کی تلاوت کرتا تو یہ اسے باور کرنے والے نہ ہوتے۔"

یہ آیت اس حقیقت کو اجاگر کرتی ہے کہ اگر کسی قوم کو ایسا پیغام پہنچایا جائے جس کی زبان اور لہجہ ان کے لیے اجنبی ہو، تو اس کا اس پر ایمان لانا بعید از قیاس ہو جاتا ہے۔ یہ آیات دعوت کے اس پہلو کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ لسانی بیگانی (زبان کی اجنبیت فہم و اثر کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنتی ہے، حتی کہ اگر وہ پیغام حق بھی ہو۔

یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن صرف معجزہ یا الہامی کتاب ہونے کی حیثیت سے نازل نہیں ہوا، بلکہ مخاطبین کی زبان میں نازل ہونا اس کے موثر ہونے کی بنیادی شرط تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا کیونکہ نبی ﷺ کی قوم عرب تھی۔

ترسیل و تبلیغ امت مسلمہ کی اہم ذمہ داری:

اب ترسیل و تبلیغ کی ذمہ داری محض انبیاء کرام علیہم السلام تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ رہتی دنیا تک ہر اُمت مسلمہ کی ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری کو قرآن مجید میں اس طرح واضح کر دیا گیا:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾[32]

"(مومنو) جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو۔"

لہٰذا اُمت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلائے، نیکیوں کا حکم دے اور بُرے کاموں سے روکے۔

"ابو سعید خدریؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص برائی دیکھے تو وہ اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے، اگر وہ طاقت نہ رکھے تو پھر اپنی زبان سے، اگر وہ (اس کی بھی) استطاعت نہ رکھے تو پھر اپنے دل سے (بدلنے کے لیے منصوبہ بندی کرے اور اس سے نفرت رکھے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ برائی کو دیکھ کر خاموش نہ رہا جائے اور پوری حکمتِ عملی سے نیکی کی طرف ترغیب اور اچھائی پر اُبھارا جائے اور بُرے کاموں سے روکا جائے۔

ترسیل و تبلیغ کے آداب:

داعی کو چاہیے کہ ہمیشہ اس بات کا لحاظ کرے کہ دعوت دیتے وقت مباحثہ اور مناظرہ کی گفتگو میں بہترین انداز اختیار کریں، پاکیزہ کلام کریں اور پورے ادب کو ملحوظ رکھیں، تواضع اور سکون سے کام لیں، اپنی آواز اونچی نہ کریں اور بالمقابل کو غصہ نہ ڈالیں اور نہ اس کا مذاق اُڑائیں۔ وہ مخاطب کے ساتھ اپنی گفتگو بلند اور اعلیٰ سطح پر رکھے اور اس کے ساتھ نرمی، شفقت جاری رکھے، اپنی گفتگو کو سختی اور خشونت سے خالی رکھے، مگر اس میں مخاطب کو مطمئن کرنے کی قوت موجود ہو اور اس سے حق کھل کر نمایاں ہو جائے۔ یہ ساری باتیں اللہ کے اس ارشاد سے مستفاد ہیں:

﴿اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَجَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ﴾[33]

"(اے پیغمبر) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ۔ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔"

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ نصیحت احسن انداز میں کی جائے اور حکمت کے ساتھ کی جائے۔ اس کے باوجود بھی اگر مخاطب اپنے باطل موقف پر اقرار کرتا ہے، ضد میں آجاتا ہے اور اس کے ساتھ مزید گفتگو کا فائدہ نہیں تو داعی کو چاہیے کہ اس کے ساتھ مباحثہ چھوڑ دے۔ داعی کو چاہیے کہ ترسیل و تبلیغ کرتے وقت گفتگو میں جلد بازی سے کام نہ لے بلکہ ٹھہر ٹھہر کر بات کرے تاکہ سامع اس کی بات کا احاطہ کرتے ہوئے اس کو سمجھ سکے۔

نبی اکرم ﷺ جب کوئی بات کرتے تو اسے تین بار دہراتے تاکہ لوگ اسے سمجھ سکیں۔ داعی کو بھی یہ چاہیے کہ ترسیل و تبلیغ کرتے وقت گفتگو میں لفاظی بڑے پن اور تکلف سے اجتناب کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((ھَلَکَ الۡمُتَنَطِّعُوۡنَ))

"متنطع کرنے والے ہلاک ہوئے۔"

یہ بات آپ ﷺ نے تین مرتبہ دہرائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((ان ابعضکم الی وابعد منی یوم القیامۃ الثرثارون والمستدقون والمتفیھقون))[34]

"مجھے تم میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور قیامت کے دن سب سے زیادہ مجھ سے دور وہ لوگ ہوں گے جو ثرثار، مستشق اور متفیھق ہوتے ہیں۔"

ثرثار سے مراد ہے "بہت باتیں کرنے والا" اور "تکلف سے کام لینے والے" "مستشدق سے مراد ہے دوسروں کو بات کرنے کا موقع نہ دینا اور تکلف کے ساتھ فصاحت پیدا کرنے کی غرض سے منہ بھر کر بات کرنا۔ متفیھق سے مراد وہ شخص ہے جو بھاری لہجے میں بات کرتا ہے، لمبی بات کرتا ہے اوراس میں اجنبیت پیدا کرتا ہے۔ تکبر کے ساتھ رفعت حاصل کرنے کی غرض سے اور دوسروں پر اپنی بڑائی جتانے کے لیے۔ گویا ترسیل و تبلیغ میں زبان کے ساتھ ساتھ مخاطبین کی تہذیب و ثقافت، اقدار و روایات، رسم و رواج اور مزاج بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ چونکہ ترسیل اور تبلیغ دونوں اصطلاحات دعوتِ دین اور پیغام رسانی کے میدان میں استعمال ہوتے ہیں لیکن دونوں میں خاصا فرق ہے۔ ترسیل کسی بھی پیغام یا خبر کو دوسروں تک پہنچانے کا عمل ہے جو کسی بھی ذریعے سے ممکن ہے۔ جبکہ تبلیغ کا لفظ دین کے ساتھ خاص ہے جس کا طریقہ کار بھی شریعت اسلامیہ سے واضح ہوتا ہے۔ تبلیغ کا مقصد تمام انسانیت کو پیغام اس کی غرض و غایت سمیت پہنچا دینا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا عَلَیۡنَاۤ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ﴾[35]

’اور ہماری ذمہ داری اس سے زیادہ نہیں ہے کہ صاف صاف پیغام پہنچا دیں۔“

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ تبلیغ سے مراد صرف کسی بات کا پہنچا دینا ہی نہیں بلکہ اس کے ذریعے پیغام رسانی کے مقصد کو انجام تک پہنچا دینا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو توحید کا پیغام پہنچایا تو کہا:

﴿أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾(36)

”تمہیں اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور مجھ کو خدا کی طرف سے ایسی باتیں معلوم ہیں جن سے تم بے خبر ہو۔“

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کی طرف توحید کی تبلیغ کی اور ان کو اپنی تبلیغ کا مقصد واضح کرتے ہوئے کہا:

﴿أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ﴾(37)

”میں تمہیں خدا کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہارا امانت دار خیر خواہ ہوں۔“

گویا پیغام رسانی کے لیے قرآن مجید میں ب ل غ کا مادہ استعمال ہوا ہے۔

قرآنی ضابطہ ”لسان قوم“ ترسیل و تبلیغ کا فطری ضابطہ ہ اس کے عمدہ نتائج کے حصول کے لیے ایک سروے کیا گیا جس سے عصری صورت حال کا مقداری معیار بھی سامنے آیا۔ اس سروے میں درج ذیل تین قسم کے افراد سے رائے لی گئی ہے:

ا۔ اساتذہ

۲۔ ہائیر سٹڈیز والے طلباء

۳۔ اعلیٰ ثانوی تعلیم حاصل کرنے والے طلباء

سوال 1: ابلاغ کے لیے لسان قوم زیادہ موثر ہوتا ہے؟

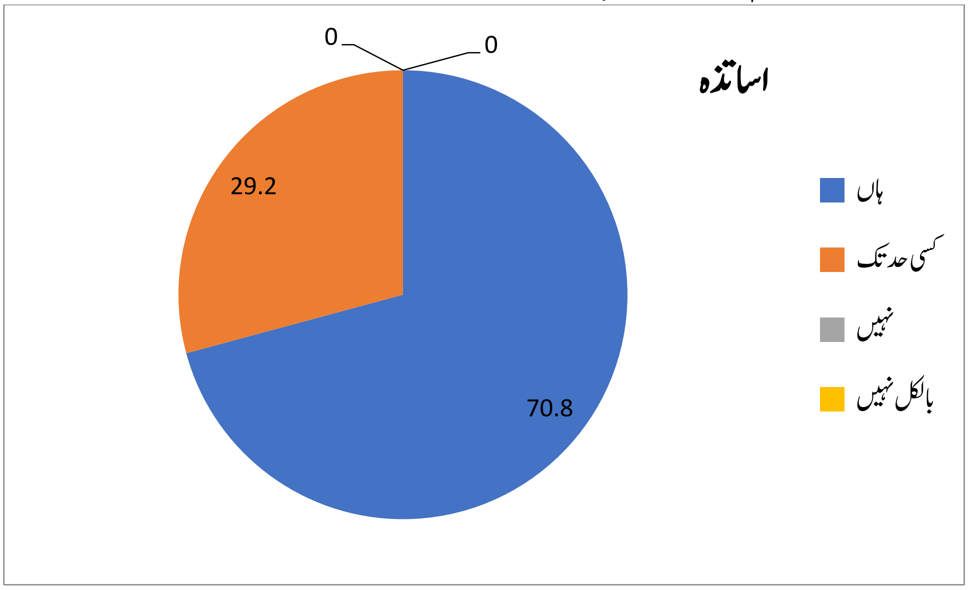

اس سوال کے جو جوابات موصول ہوئے ہیں ان میں سے 70.8 فیصد نے اتفاق کیا ہے جبکہ 29.2 فیصد کا جواب "کسی حد تک" ہے۔

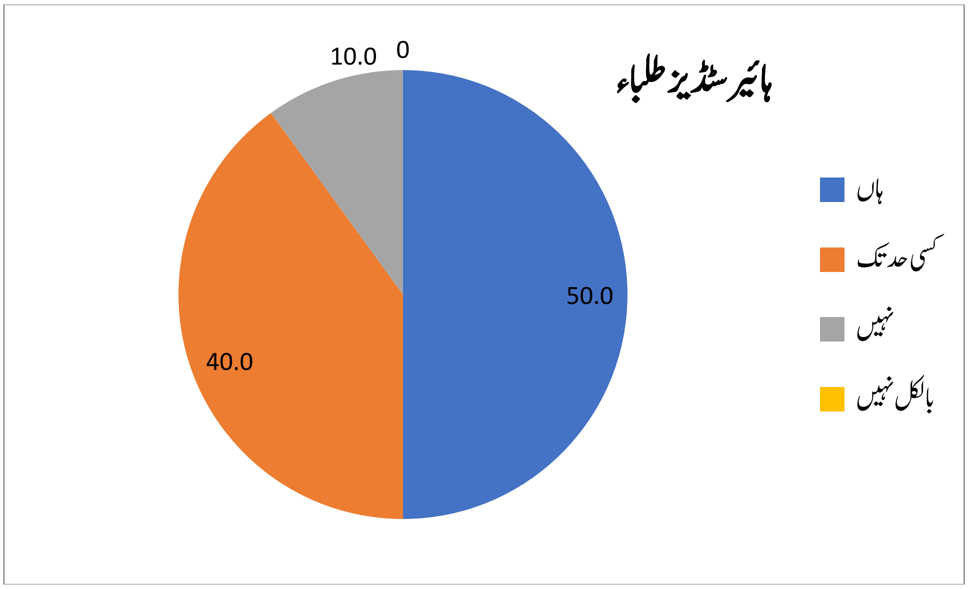

مندرجہ بالا گراف کے مطابق ہائیر سٹڈیز کے 50 فیصد طلباء کا جواب "ہاں" جب کہ 40 فیصد کا جواب "کسی حد تک" ہے، نیز 10 فیصد نے "نہیں" کے جواب کے ساتھ اختلاف کیا ہے۔

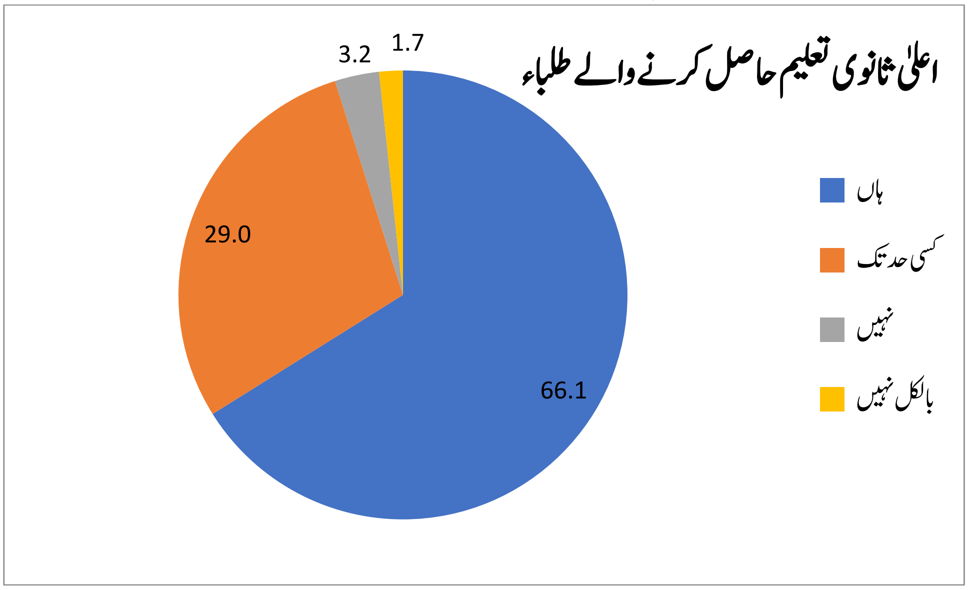

مندرجہ بالا گراف میں اعلیٰ ثانوی تعلیم حاصل کرنے والے 66.1 فیصد طلباء کا جواب "ہاں" ہے جب کہ 29 فیصد کا جواب "کسی حد تک" ہے۔ 3.2 فیصد کا جواب "نہیں" اور 1.6 فیصد کا جواب "بالکل نہیں" ہے۔

سوال 2: عمدہ تعلیم و تفہیم لسان قوم کے ساتھ ہی ممکن ہے؟

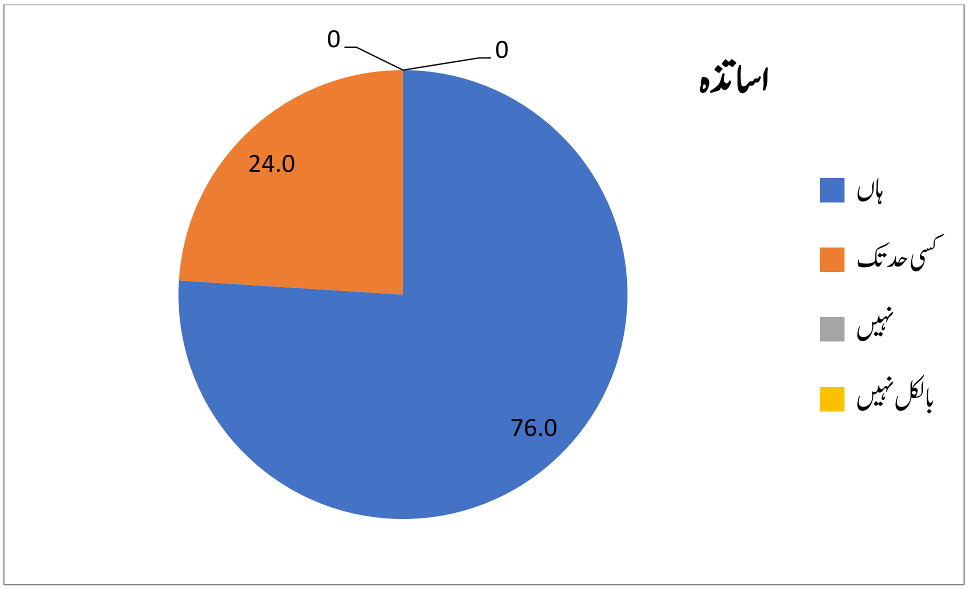

اس سوال کے جواب میں 76 فیصد اساتذہ کا کہنا ہے کہ عمدہ تعلیم و تفہیم لسان قوم کے ساتھ ہی ممکن ہے جبکہ 24 فیصد نے "کسی حد تک" اتفاق کیا ہے۔

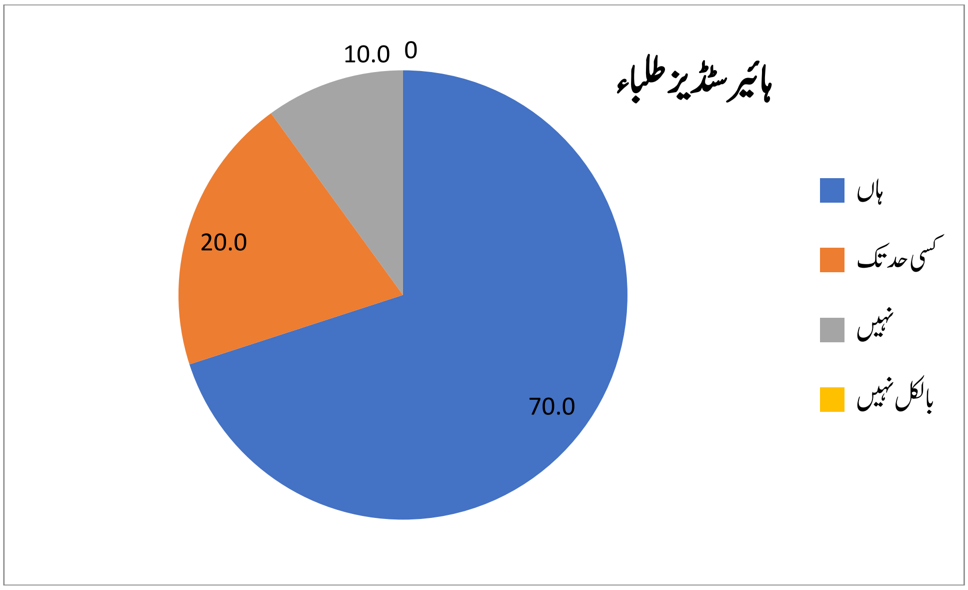

گراف میں ہائیر سٹڈیز والے طلباء کے 70 فیصد اس بات سے اتفاق کرتے ہیں جب کہ 20 فیصد "کسی حد تک" کے جواب کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں اور 10 فیصد "نہیں" کے جواب کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں۔

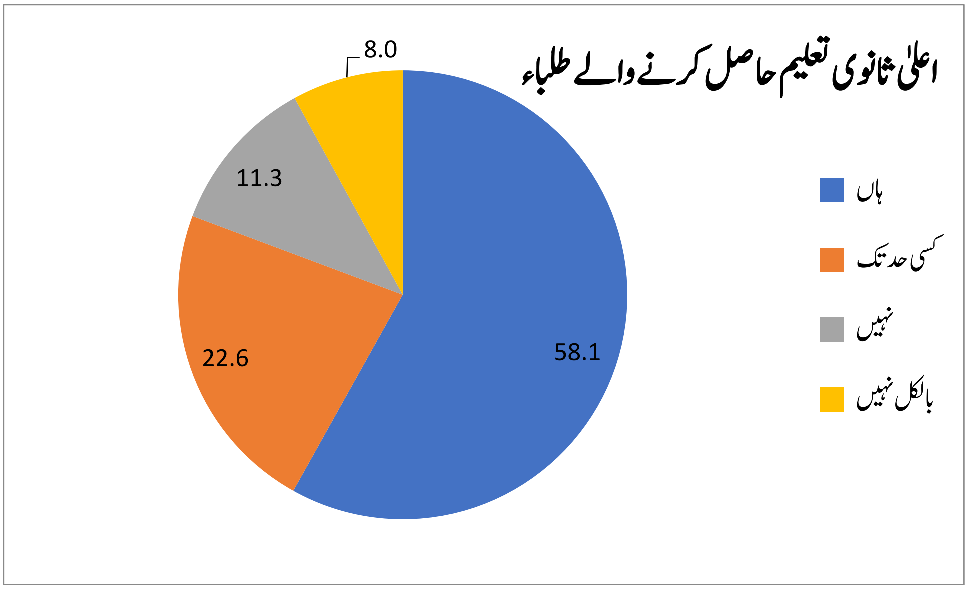

اعلیٰ ثانوی تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کے جوابات کے مطابق 58.1 فیصد کا جواب "ہاں" میں ہے جبکہ 22.6 فیصد کا جواب "کسی حد تک" ہے اور 11.3 فیصد کا جواب "نہیں" اور 8.1 فیصد کا جواب "بالکل نہیں" ہے۔

سوال3: دعوت و تبلیغ میں لسان قوم کا قرآنی اصول فطرت کے مطابق ہے؟

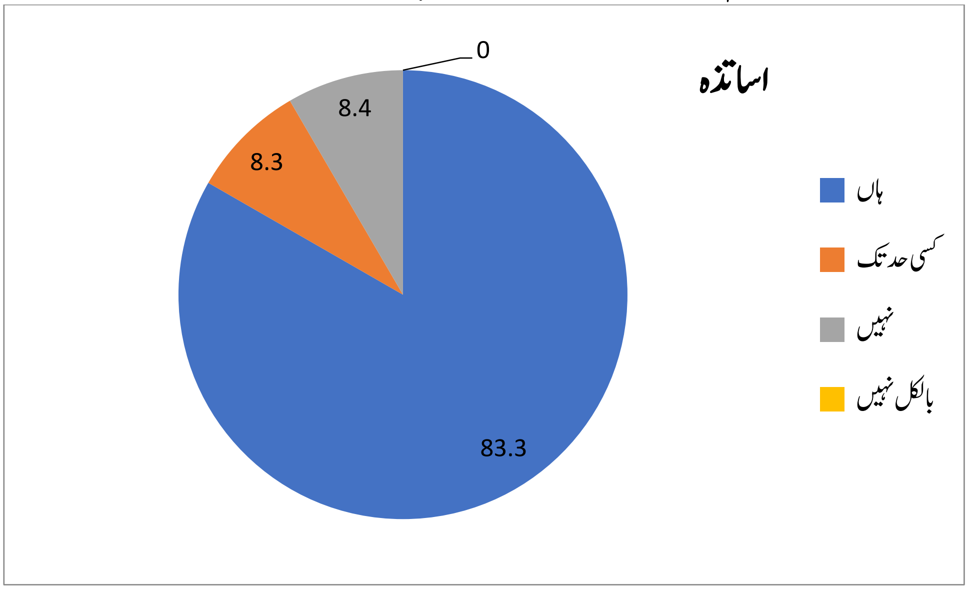

گراف کے مطابق اس سوال کے جواب میں 83.3 فیصد اساتذہ کا جواب "ہاں" میں ہے۔ 8.3 فیصد کا جواب "کسی حد تک" ہے۔ 8.4 فیصد نے اختلاف کیا ہے کہ دعوت و تبلیغ میں لسان قوم کا قرآنی اصول فطرت کے مطابق ہے۔

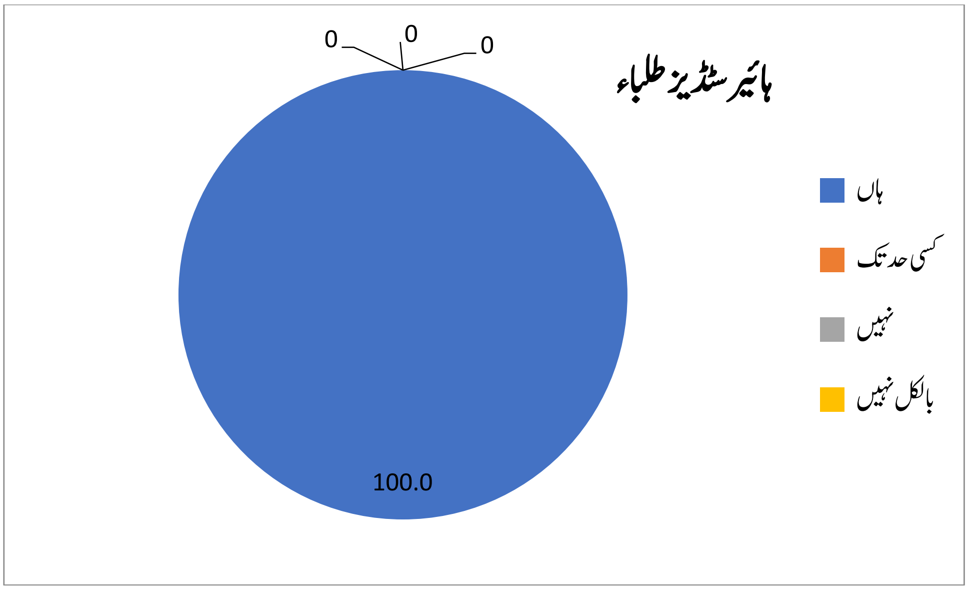

گراف کے مطابق ہائیر سٹڈیز کے 100 فیصد طلباء نے اتفاق کیا ہے کہ دعوت و تبلیغ میں لسان قوم کا قرآنی اصول فطرت کے مطابق ہے۔

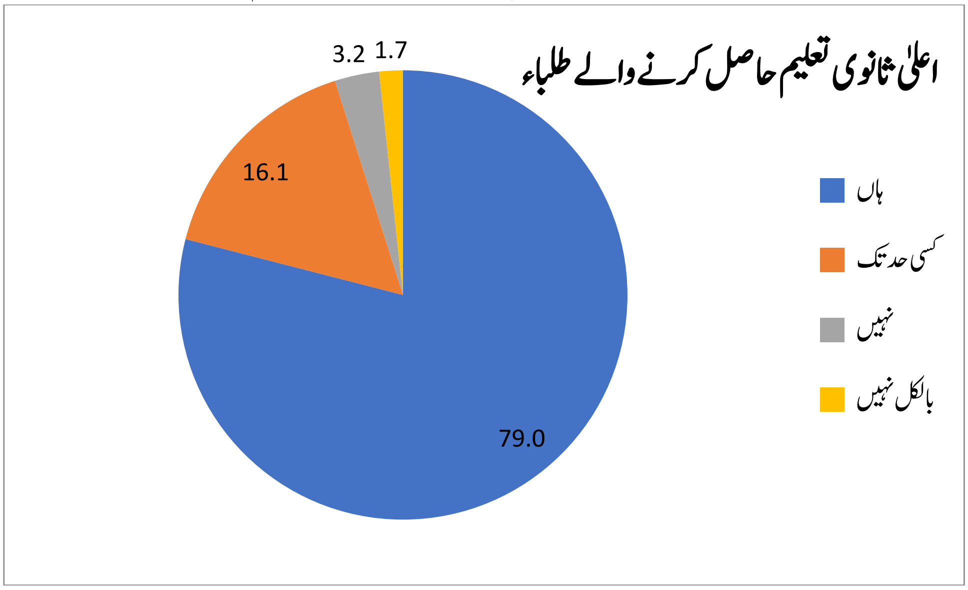

دیئے گئے گراف میں اعلیٰ ثانوی تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کی رائے کا اندراج ہے۔ 79 فیصد طلباء نے "ہاں" میں جب کہ 16.1 فیصد طلباء نے "کسی حد تک" کی رائے کا اظہار کیا ہے۔ 3.2 فیصد کی رائے "نہیں" اور 1.7 فیصد کی رائے "بالکل نہیں" ہے۔

خلاصۂ بحث

اسلام میں لسانِ قوم کو ابلاغ و تبلیغ کے فطری اور قرآنی ضابطے کے طور پر بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ قرآنِ مجید میں واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اس کی اپنی قوم کی زبان میں مبعوث فرمایا تاکہ وہ اپنے پیغام کو مؤثر طور پر پہنچا سکیں۔ زبان صرف اظہارِ خیال کا

ذریعہ نہیں بلکہ فہم، ثقافت اور تہذیب کا مظہر ہے۔ مؤثر ترسیل اسی وقت ممکن ہے جب پیغام مخاطب کی زبان میں دیا جائے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوتی حکمتِ عملی سے یہ اصول ظاہر ہوتا ہے کہ زبان کی فہم و بلاغت تبلیغِ دین کا بنیادی جز ہے۔ عصرِ حاضر میں بھی اسلام کے پیغام کی کامیاب ترسیل اسی وقت ممکن ہے جب اسے مختلف اقوام کی زبانوں اور ثقافتی پس منظر کے مطابق پیش کیا جائے، تاکہ اسلام کی عالمگیر دعوت انسانیت تک فطری، مدلل اور مؤثر انداز میں پہنچ سکے۔

حوالہ جات:

(1) راغب اصفہانی، امام حسین بن محمد، مفردات ألفاظ القرآن، (قاہرہ: دارالمعرفۃ، 1412ھ/1992ء)، 1:396۔

Rāghib Iṣfahānī, Imām Ḥusayn ibn Muḥammad, Mufradāt Alfāẓ al-Qurʾān (Cairo: Dār al-Maʿrifah, 1412 AH/1992 CE), 1:396.

(2) زہیر بن ابی سلمی، "بکرن بکوراو استجرن بسحرۃ"، الکامل فی الأدب، مرتب: المبرد، (بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 1406ھ/1986ء)، 1:814؛ نیز مختار الشعر الجاہلی، مرتب: ناصر الدین الأسد، (بیروت: دارالآفاق الجدیدۃ)، 1:152۔

Zuhayr ibn Abī Sulmā, "Bakaran Bukūran wa-Istajarn Bi-Saḥrah," in al-Kāmil fī al-Adab, ed. al-Mubarrad (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 1406 AH/1986 CE), 1:814; also Mukhtār al-Shiʿr al-Jāhilī, ed. Nāṣir al-Dīn al-Asad (Beirut: Dār al-Āfāq al-Jadīdah), 1:152.

(3) راغب اصفہانی، امام، مفردات القرآن، مادہ: ر۔س۔ل، ص: ۳۹۶

Rāghib Aṣfahānī, Imām, *Mufradāt al-Qurʾān*, Māddah: R–S–L, p. 396

(4) ایضاً، 1:397۔

Ibid., 1:397.

(5) فیروز الدین، مولوی الحاج، فیروز اللغات: اردو جامع، (لاہور، راولپنڈی، کراچی: ادارہ معارف اسلامی، 2005ء)، 1:355۔

Fīrūz al-Dīn, Mawlawī al-Ḥājj, Fīrūz al-Lughāt: Urdū Jāmiʿ (Lahore, Rawalpindi, Karachi: Idārah Maʿārif Islāmī, 2005 CE), 1:355.

(6) وارث سرہندی، علمی اردو لغت جامع، (لاہور: علمی کتب خانہ، کبیر اسٹریٹ، اردو بازار، 2010ء)، 1:445۔

Wāris Sarhindī, ʿIlmī Urdū Lughat Jāmiʿ (Lahore: ʿIlmī Kutub Khānah, Kabīr Street, Urdu Bazaar, 2010 CE), 1:445.

(7) 6. عبد الرحمن کیلانی، مولانا، مترادفات القرآن، (لاہور: مکتبہ قدوسیہ، 2012ء)، 1:39۔

ʿAbd al-Raḥmān Kīlānī, Mawlānā, Mutarādifāt al-Qurʾān (Lahore: Maktabah Qudūsiyyah, 2012 CE), 1:39.

(8) ابو الفضل عبد الحفیظ بلیاوی، مولانا، مصباح اللغات عربی اردو ڈکشنری، (لکھنو: ندوۃ العلماء؛ لاہور: انارکلی بک ڈپو، 2003ء)، 1:72۔

Abū al-Faẓl ʿAbd al-Ḥafīẓ Balyāwī, Mawlānā, Miṣbāḥ al-Lughāt ʿArabī-Urdū Dictionary (Lucknow: Nadwat al-ʿUlamāʾ; Lahore: Anārkalī Book Depot, 2003 CE), 1:72.

(9) راغب اصفہانی، مفردات القرآن، 1:119۔

Rāghib Iṣfahānī, Mufradāt al-Qurʾān, 1:119.

(10) مجمع اللغۃ العربیۃ، المعجم الوسیط، (قاہرہ: دار الدعوۃ، 1985ء)، 1:98۔

Majmaʿ al-Lughah al-ʿArabiyyah, al-Muʿjam al-Wasīṭ (Cairo: Dār al-Daʿwah, 1985 CE), 1:98.

(11)فیروز اللغات اردو جامع، 1:343۔

Fīrūz al-Lughāt Urdū Jāmiʿ, 1:343.

(12)وارث سرہندی، علمی اردو لغت جامع، 1:429۔

Wāris Sarhindī, ʿIlmī Urdū Lughat Jāmiʿ, 1:429.

(13)وحید الزماں قاسمی، القاموس الجدید اردو عربی لغت، (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 2009ء)، 1:252۔

Waḥīd al-Zamān Qāsmī, al-Qāmūs al-Jadīd Urdū-ʿArabī Lughat (Lahore: Idārah Thaqāfat Islāmiyyah, 2009 CE), 1:252.

(14)القرآن، 36:17۔

Al-Qurʾān, 36:17.

(15)راغب اصفہانی، مفردات الفاظ القرآن، 1:119۔

Rāghib Iṣfahānī, Mufradāt Alfāẓ al-Qurʾān, 1:119.

(16)القرآن، 21:106۔

Al-Qurʾān, 21:106.

(17)القرآن، 5:67۔

Al-Qurʾān, 5:67.

(18)القرآن، 14:4۔

Al-Qurʾān, 14:4.

(19)ابن کثیر، عماد الدین، علامہ، تفسیر ابن کثیر، مترجم: مولانا محمد صاحب جونا گڑھی، (لاہور: عبد اللہ اکیڈمی، الکریم مارکیٹ، اردو بازار، 2009ء)، 3:69۔

Ibn Kathīr, ʿImād al-Dīn, Tafsīr Ibn Kathīr, trans. Mawlānā Muḥammad Ṣāḥib Jūnagadhī (Lahore: ʿAbdullāh Academy, al-Karīm Market, Urdu Bazaar, 2009 CE), 3:69

(20)قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، 2010ء)، 5:306۔

Qāḍī Thanāʾ Allāh Pānīpatī, Tafsīr Maẓharī (Lahore: Ḍiyāʾ al-Qurʾān Publications, 2010 CE), 5:306.

(21)سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 2011ء)، 2:471۔

Sayyid Abū al-Aʿlā Mawdūdī, Tafhīm al-Qurʾān (Lahore: Idārah Tarjumān al-Qurʾān, 2011 CE), 2:471.

(22)علامہ محمد اقبال، تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، (لاہور: بزم اقبال، 2019ء)، 1:29۔

Muḥammad Iqbāl, The Reconstruction of Religious Thought in Islam (Lahore: Bazm-e Iqbal, 2019 CE), 1:29.

(23)القرآن، 24:54۔

Al-Qurʾān, 24:54.

(24)القرآن، 71:5۔

Al-Qurʾān, 71:5.

(25)القرآن، 71:6۔

Al-Qurʾān, 71:6.

(26)القرآن، 20:25-28۔

Al-Qurʾān, 20:25–28.

(27)القرآن،19:30۔

Al-Qurʾān, 19:30.

(28)القرآن،7:85۔

Al-Qurʾān, 7:85.

(29)القرآن،12:2۔

Al-Qurʾān, 12:2.

(30)القرآن،16:103۔

Al-Qurʾān, 16:103.

(31)القرآن،26:198–199۔

Al-Qurʾān, 26:198–199.

(32)القرآن،3:110۔

Al-Qurʾān, 3:110.

(33)القرآن،16:125۔

Al-Qurʾān, 16:125.

(34)الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، الجامع الصحیح (سنن الترمذی)، (مصر: شرکۃ مکتبہ ومطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی، 1395ھ/1975ء)، کتاب البر والصلۃ، باب: ما جاء فی معالی الاخلاق، 1:2018۔

Al-Tirmidhī, Abū ʿĪsā Muḥammad ibn ʿĪsā, al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ (Sunan al-Tirmidhī)(Egypt: Sharikat Maktabah wa-Maṭbaʿah Muṣṭafā al-Bābī al-Ḥalabī, 1395 AH/1975 CE), Kitāb al-Birr wa-l-Ṣilah, Bāb: Mā Jāʾa fī Maʿālī al-Akhlāq, 1:2018.

(35)القرآن،36:17۔

Al-Qurʾān, 36:17.

(36)القرآن،7:62۔

Al-Qurʾān, 7:62.

(37)القرآن،7:68۔

Al-Qurʾān, 7:68